(غلام گردش)

امریکہ کو اپنا دشمن نہ بنایئے!

قومیں اپنی خوبیوں کے سہارے قائم ودائم رہتی ہیں۔ترقی کرتی ہیں۔دنیا کے ہر اہم معاملے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔اسکے متضاد، ناکام اور کمزور ریاستیں اپنی خامیوں سے صرفِ نظر کر کے صرف اور صرف واویلا مچاتی ہیں۔ہر دم گریہ کرتی ہیں۔مگر ایک کام ہرگز ہرگز نہیں کرتیں،اور وہ ہے اپنی خامیوں کو پہچان کر انہیں ٹھیک کرنے کی کوشش۔یہی عمل لوگوں کے اندر بھی بدرجہ اَتم موجود ہوتا ہے۔ناکام لوگ دوسروں پر تنقید اور طنز کے علاوہ کچھ نہیں کر پاتے۔دیکھا جائے،تو کامیاب ہونے اور ناکام رہنے کی وجوہات ٹھوس ہوتی ہیں۔ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی۔مگر ہمارے جیسے خطوں میں انہیں جذباتیت کا غلاف پہنا کر،حقیقت سے بہت دور کر دیا جاتا ہے۔اگر کوئی انکا درست ذکر بھی کرے تو اسے بے حد تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ہمارے خمیر میں یہ بیٹھ چکا ہے کہ دنیا ہمارے خلاف صرف اسلیے ہے کہ ہم منفرد لوگ ہیں۔یہ ایک مفروضہ بھی ہے اور جھوٹ بھی۔طویل عرصہ پہلے،ہم طاقتور تھے،بہترین تھے۔مگر اسکی وجوہات تھیں۔قدرتی عمل کے مطابق ہمارا شخصی اور قومی رویہ،اس وقت کی اقوام سے بہتر تھا۔مگر آج صورتحال بالکل مختلف ہے۔

پچھلے تین دن سے امریکی صدر ٹرمپ کی ایک ٹویٹ پر طویل بحث جاری ہے۔سیاسی اور میڈیا کے ارسطو،جواب میں قیامت برپا کر رہے ہیں۔کوئی یہ نہیں سوچ رہا کہ اس ٹویٹ کے متن کو ٹھنڈے دل سے پڑھے،تجزیہ کرے اور پھر اس پر اپنا ردِعمل پیش کرے۔اسکے برعکس ترکی بہ ترکی جواب دیے جا رہے ہیں۔ٹویٹ در ٹویٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ساتھ ساتھ کچھ ایسے جملے بھی کہے جا رہے ہیں،جنکو سنتے سنتے بال سفید ہو چکے ہیں۔مثلاً "امریکہ اور پاکستان کے تعلقات برابری کی بنیاد پر ہونے چاہییں۔غیرت کا تقاضہ ہے کہ ہم امریکی مطالبات نہ مانیں۔ہمیں امریکی امداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے" وغیرہ وغیرہ۔ان میں سے کئی جملوں میں کچھ صداقت بھی موجود ہے۔مگر کوئی سوچنے اور سمجھانے کیلئے تیار نہیں کہ ان جملوں کو سچ ثابت کرنے کے عملی تقاضے کیا ہیں۔اردو میڈیا بالخصوص جذباتیت کی اس فضا کو بڑھاوا دیتا ہے جہاں دلیل کو پیش کرنا کم سے کم گوارا کیا جاتا ہے۔انگریزی میڈیا قدرے بہتر ہے۔مگر مسئلہ یہ ہے کہ انگریزی اخبار پڑھنے والے حد درجہ کم ہیں۔انکی تعداد مسلسل گھٹ رہی ہے۔چنانچہ اب ساری ذمہ داری اردو اخبارات پر آن پڑی ہے کہ وہ قوم کو حقیقت کی دنیا سے آشنا رکھیں۔ردِعمل اور محض ردِعمل سے باہر نکالیں۔بتائیں کہ ہر عمل کا ردِعمل ہوتا ہے۔اصل چیز عمل ہے۔بین الاقوامی تعلقات میں بھی اور ذاتی حیثیت میں بھی۔

پہلا نکتہ تو یہی ہے کہ قوموں کے باہمی معاملات،سرِ عام زیرِ بحث نہیں رکھے جاتے۔یہ انتہائی سنجیدگی سے،شور شرابے سے دور،تسلی سے طے کیے جاتے ہیں۔انکا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔امریکہ ابھی تک دنیا کا طاقت ور ترین ملک ہے۔اسکی اقتصادی،فنی،سماجی اور عسکری طاقت دنیا کے ہر ملک سے زیادہ ہے۔چین تمام ترقی کے باوجود،اس منزل پر نہیں پہنچ سکا،جہاں امریکہ ستر برس سے براجمان ہے۔چینی معیشت،امریکہ کی معیشت سے تقریباً نصف ہے۔اسکے ساتھ ساتھ عسکری معاملات میں بھی امریکہ سے بہت پیچھے ہے۔یہ سچ دونوں ممالک کو معلوم ہے۔آج تک چین کے کسی رہنما نے یہ نہیں کہا کہ ہمارا ملک اُبھرتی ہوئی گلوبل طاقت ہے۔بلکہ انکا ردِعمل حد درجہ

محتاط ہے۔وہ اپنے ملک میں بھی اپنی ترقی کا ذکر تک نہیں کرتے۔وہ صرف ایک کام کرتے ہیں کہ "باتیں بہت کم اور کام بہت زیادہ"۔ایک دوسرے کے سخت ترین حریف ہونے کے باوجود وہ ردِعمل میں نہیں جاتے۔خاموش رہتے ہیں۔اپنے باہمی تعلقات کو جذباتی تقاریر اور جملوں سے زیر بار نہیں کرتے۔اگر آپکو یقین نہیں آتا،تو آپ چین جا کر اس بات کو پرکھ لیں۔

مگر پاکستان ایک انتہائی جذباتی بلکہ غیر حقیقی دنیا میں سانس لے رہا ہے۔جذباتیت کو اس قدر مضبوط کر دیا گیا ہے کہ حقیقت کی طرف نظر دوڑانے کی جسارت کرنا کافی مشکل ہے۔امریکہ اور ہمارے باہمی تعلقات کبھی بھی برابری کی سطح کے نہیں تھے۔نصف دہائی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ہم ان تنازعات میں پڑ گئے جو ہمارے قومی مفادات کے عین خلاف تھے۔صدر ایوب کے دور میں پشاور سے امریکی طیارے،روس پر پرواز کروا کے جاسوسی کا کام کرتے تھے۔پتہ اس وقت چلا جب روسیوں نے ایک طیارہ مار گرایا اور انکے پائلٹ گرفتار کر لیے گئے۔اسکے بعد جو کچھ بھی ہوا،سب کے علم میں ہے۔مگر سوال یہ اُٹھتا ہے کہ صدر ایوب کے زمانے میں ہماری روس سے کیا دشمنی تھی۔مقابلہ تو امریکہ اور روس کے باہمی کشیدہ تعلقات کا تھا۔ہم اس میں فریق کیونکر بن گئے۔کسی کے پاس اس نکتہ پر مدلل بحث کرنے کیلیئے وقت نہیں ہے۔بھٹو کو بالاخر کیا ضرورت تھی کہ وہ افغان باغی قیادت کو پاکستان بلوا کر انہیں ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرتا۔جنرل ضیاء الحق کی افغان پالیسی اسطرح کی کیوں تھی کہ اس نے خطرناک ترین جنگ میں ہمیں ایندھن بنا ڈالا۔امریکہ نے پیسے اور اسلحہ دیکر ہماری زبان بند کر دی۔ہم ایک المناک جنگ کا باقاعدہ حصہ بن گئے جو آج ہمارے ملک کو آگ کی طرح جلا رہی ہے۔امریکہ پیسہ حاصل کرنے کے جنون میں ہم دیوانوں کی طرح ہر وہ کام کرتے رہے جو ہمارے قومی مفادات کے بالکل برعکس تھے۔سیاسی وزراء اعظم بھی صرف اور صرف غیر ملکی مفادات کو دیکھتے رہے۔رہی سہی کسر پرویز مشرف کی محیر العقول پالیسی نے پوری کر دی۔ہم افغانستان کی جنگ کو اپنے گھر میں لے آئے۔یہ معرکہ ابھی تک جاری ہے۔

قومی مفاد تو یہ تھا کہ ہم ایک پُر امن اور ترقی یافتہ ملک بنتے۔اقتصادی طاقت بنتے۔مثالی ترقی کرتے۔مگر ہم نے سات دہائیوں میں بدامنی اور بدحالی کو باقاعدہ پالا پوسا ہے۔ہر وہ کام کیا ہے جس سے ہمارے معاملات مکمل طور پر ابتلا میں رہیں۔امریکہ کے ساتھ تعلقات میں بھی ہم اس سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر پائے جو وقت کا تقاضہ تھا۔مگر یہاں ایک تلخ بات کرنی بے حد ضروری ہے۔امریکہ ہمیں ایک " کلائنٹ سٹیٹ " کا درجہ دیتا ہے۔یعنی کوئی بھی کام کروانا تو،تو پیسے فراہم کر کے ہماری استطاعت کو خرید لیا جاتا ہے۔جب وہ مشکل کام مکمل ہو جاتا ہے تو پھر تعلقات بھی واجبی سے رہ جاتے ہیں۔اگر کوئی دوبارہ معاملہ ہو جائے تو امریکی ہمیں پھر سے پیسے میں تول دیتے ہیں۔ہم انکا ہر کام معاوضہ لیکر کرنے کیلیئے تیار ہو جاتے ہیں۔افغانستان میں بتیس سال سے جنگ اسی لین دین کی بنیاد پر ہو رہی ہے۔ورنہ افغانستان سے ہماری کیا دشمنی ہے۔مگر آج صرف اور صرف ہمارے ردِعمل کی بدولت افغانستان ہمیں ہر مسئلہ کی بنیاد سمجھتا ہے۔سوچنے کی بات ہے کہ جس وقت امریکی ڈالروں کی بارش ہوتی ہے تو اس وقت ہمارے قومی مفادات کو فراموش کیوں کر دیا جاتا ہے۔قومی غیرت کے فلسفہ کو پسِ پشت کیوں ڈال دیا جاتا ہے۔پوری قوم کو ختم نہ ہونے والی جنگ کی آگ میں کیوں جھونک دیا جاتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہمارے انتہائی غیر محفوظ حکمران،اپنی حکومت کو قائم ودائم رکھنے کیلیئے امریکہ کیلیئے وہ تمام مشکل کام کرتے رہے

جوانہیں نہیں کرنے چاہیے تھے۔امریکیوں کو پتہ ہے کہ اس قوم کو پیسہ دیکر ہر کام کروایا جاسکتا ہے۔اسکی عملی مثالیں موجود ہیں۔مگر یہ ادنیٰ بات ہم تسلیم کرنے کی اخلاقی جرات نہیں رکھتے۔ہم مکمل طور پر افسانوی کیفیت میں سانس لے رہے ہیں۔عوام کے سامنے اصل حقائق کولانے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔انہیں بھرپور طریقے سے چھپاتے ہیں۔یہ بہت عرصے تک کامیاب پالیسی تھی۔مگر ڈونلڈ ٹرمپ، ہر بات، بدتمیزی کی حدتک سامنے کرنے کا عادی ہے۔الیکشن میں اسکی کامیابی کی ایک وجہ اسکا منہ پھٹ ہونا بھی ہے۔ٹرمپ امریکی نفسیات سے مکمل طور پر واقف ہے۔ہر وہ بات کرتا ہے جو اسکے سفید فام متوسط درجے کے امریکی شہریوں کو بہتر لگے۔بنیادی طور پر وہ Cohesive اپروچ پر یقین نہیں رکھتا۔اسکی ہر تقریر اور عمل Divisive طرز کا ہے۔اس نے امریکی عوام کو بھی ہر سطح پر تقسیم کر دیا ہے۔اس طرح کے صاحبِ طرز سیاستدان نے جو بات کی ہے، وہ اسکی شخصیت کے عین مطابق ہے۔مگر کیا وہ ٹویٹ مکمل طور پر جھوٹ ہے۔یا اس تحریر کے جملے مکمل طور پر سچ ہیں۔میرا خیال ہے بین الاقوامی معاملات میں سچ اور جھوٹ کچھ نہیں ہوتا۔دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ طاقتور فریق کیا کہہ رہا ہے۔اسکی بات پر یقین کیا جاتا ہے۔ہمارا موجودہ رویہ بھی اسی ترتیب سے دیکھا جا رہا ہے۔ہماری تمام تر قربانیوں اور نقصانات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔مگر حتمی سوال ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔صرف اسلیے کہ عرصہ دراز سے ہماری خارجہ پالیسی ہمارے اپنے قومی مفادات کے خلاف رہی ہے۔پوری دنیا جانتی ہے کہ ہم کیا کیا کرتے رہے ہیں۔کس کس سطح پر اپنے مفادات کو بہت کم قیمت پر فروخت کیا ہے۔ہم کافی حدتک سچا ہونے کے باوجود دنیا کیلئے قابل اعتماد فریق نہیں ہیں۔ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم سے انتہائی ادنیٰ کام کروا کر ہمیں سزا کے طور پر اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے۔کوئی اہم ملک ہماری بات سننے کیلیے تیار نہیں۔اگر پوری سوسائٹی یا سماج میں کوئی شخص دلیل سے بات کرنے کی کوشش کرے، تو اس سے "حب الوطنی" کا سرٹیفیکٹ واپس لیا جاسکتا ہے۔خوف کی وجہ سے سچ بولنا بھی بہت مشکل ہے۔تمام تر مشکلات کے باوجود عملیت پسندی یہی ہے کہ پاکستان اور امریکہ بند کمرے میں سنجیدگی سے معاملات کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ایک دوسرے کا نکتہِ نظر سمجھیں۔اپنے ملکی مفادات کو سامنے رکھ کر معاملہ فہمی سے کام لیں۔باہمی اعتماد کو واپس لانے کی کوشش کریں۔یہ حد درجہ مشکل کام ہے۔اسکے لیے ٹھنڈے مزاج کے قومی رہنما ہونے چاہیے۔کسی بھی صورت میں امریکہ کو اپنا دشمن بنانا درست نہیں ہے۔امریکہ آج بھی ہمیں ناقابل یقین حدتک نقصان پہنچا سکتا ہے۔مشکل صورتحال ہوش کا تقاضہ کرتی ہے۔جوش کا نہیں، امریکہ کو اپنا دشمن بنانا قطعاً مناسب نہیں ہے!

راؤ منظر حیات